ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی افسانوی تنقید

ڈاکٹر شائستہ حمید خان، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Among the stars which sparkled on the fuzzy horizon of the urdu literary criticism, Dr. Gopi Chand Narang's name shines the most. Because Dr. Gopi Chand Narang was aware of the significance of words in his writings. Dr. Gopi few specialized topics are structuralism, past structuralism, modernism, past modernism and linguistis. In urdu, Dr. Gopi, through his letters, has promoted the descriptine criticism.

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ادبی زندگی کی ابتدا افسانہ نگاری سے کی۔ ان کا پہلا افسانہ ''بلوچستان سماچار'' میں ۱۹۴۶ء کو شائع ہوا، جو کوئٹہ سے نکلتا تھا اور ہفتہ وار تھا۔ اس کے بعد انہوں نے چند کہانیاں لکھیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> ''دفتر سے قریب ایک سرکاری لائبریری تھی اس میں اُردو ہندی کتابوں کا خاصا ذخیرہ تھا سارا سارا دن وہیں پڑا رہتا۔ یاد ہے کہ اُردو فارسی کے بعض امتحانات میں نے یا تو اس لائبریری کی وجہ سے دیئے یا پھر اُردو بازار کے بعض مہربان کتب فروشوں کی مہربانی سے جو کتاب چند روز پڑھنے کے لیے دیتے تھے یا پھر اُدھار پر معاملہ کر لیا کرتے تھے۔''[۱]

پھر ڈاکٹر نارنگ سنجیدہ مضمون نگاری کی طرف مائل ہو گئے اور ''نگار' 'نُوائے ادب' آج کل جیسے معیاری رسالوں میں لکھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ شاید اُردو کے سب سے زیادہ فعال دانشور ہیں۔ ان کی شہرت بحیثیت اُردو ادیب پوری دنیا میں ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی متنوع ادبی کتابوں پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے شعر و ادب کے مختلف جہات کو اپنے مضامین اور کتابوں کے ذریعے سمیٹنے کی کوشش کی ہے کہ بعض مسائل نہ صرف حل ہو گئے بلکہ ان کے باب میں نئے امکانات پر بحث وہ تمہید کے دروازے کُھل گئے۔ جس قدر کامیابی گوپی چند نارنگ کو ملی وہ ایسی کامیابی ہے کہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ گوپی چند نارنگ

نے اُردو ادب میں بہت منفرد کام کیا اور اپنا کام کر کے اپنے فن کا لوہا منوایا۔ گوپی چند نارنگ کی حالیہ کتابوں میں 'اُردو غزل کا ہندوستانی ذہن و تہذیب' ایک ایسا ادبی معرکہ ہے جس کی اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جائے گی۔ گزشتہ چار دہائیوں سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ دل جمعی کے ساتھ فکشن سے متعلق نظری اور علمی پہلوؤں پر مضامین لکھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اُردو فکشن پر تنقید کر کے اُردو ادب میں اپنا نمایاں مقام حاصل کر رکھا ہے۔ وہ فکشن تنقید کے نئے میلانات و رجحانات اور علم بیانیات کے نظری مباحث اور عالمی تناظر سے اُردو دنیا کو مسلسل واقف کرا رہے ہیں۔ نارنگ صاحب کو اسلوبیاتی تنقید، جدید اور مابعد جدید تنقید کے بنیاد گزاروں میں جا بجا طور پر امتیازی مقام دیا جاتا ہے۔ اس لیے فکشن تنقید کو ان کی عطا (Contribotion) کا اعتراف اُردو تنقید کے ناخن پر قرض ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نارنگ صاحب کے فکشن سے متعلق مضامین اب تک یکجا طور پر شائع نہیں ہیں۔ اب یہ مضامین ایک مبسوط کتاب کی صورت میں شائع ہو رہے ہیں۔ جس سے نہ صرف موضوع کی تخلیص سے گرانبار فکشن تنقید کی نارسائی کا احساس دو چند ہوگا بلکہ افسانہ شعریات کے امتیازات بھی واضح ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے مطابق ''منٹو کا موضوع پیشہ ور طوائف یا آرائشی گڑیا ہرگز نہیں بلکہ منٹو کا موضوع پیشہ کرنے والی عورت کے وجود کی کراہ یا اس کی روح کا الم یا اس کے باطن کا سُونا پن ہے جس کو کوئی بانٹ نہیں سکتا۔'' اسی طرح سوگندھی کے حوالے سے نارنگ صاحب استفسار کرتے ہیں کہ ''یہاں لفظوں کے پردوں سے کیا 'جننی' کا وہ چہرہ نہیں جھانک رہا جو مرد کو جنتی ہے، پھر اس کے ہاتھوں ذلت برداشت کرتی ہے یہ تخلیق کے دائروی عمل کا رفرما ہے۔'' ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اُردو کے معروف افسانہ نگاروں کے معارف افسانوں پر تنقید کا کام کیا ہے اور اس میں اپنے فن کا لوہا منوایا ہے۔ نارنگ نے منٹو کے افسانوں میں اس کے فن کو ایک منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے آئرنی اور قول محال کا تخلیقی استعمال، پلاٹ کی منظم در و بست، زندگی کی حرارت سے بھرپور کرداروں کی پیش کش جیسے تمام اوصاف کو اُردو کے معیار کے مطابق بیان کیا اور اس کو تنقید کے لیے موضوع بنایا۔ نارنگ نے منٹو کے افسانوں کے مطالعہ میں ان امور کو موضوع بحث بنایا ہے جو یقیناً منٹو کی نئی پرھت ہے۔ نارنگ کے مطابق:

> ''باختن کے لفظوں میں منٹو کا فن Monologic نہیں بلکہ دستووسکی کی طرح Dialogic ہے
> جس میں سوچ کی کئی تہیں یا کئی آوازیں ایک ساتھ ابھرتی ہیں اور مصنف کرداروں کے مختلف نقطہ
> ہائے نظر کو آزادانہ اُبھرنے دیتا ہے۔''۲

یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ منٹو مختلف آوازوں کو کسی ایک مرکزی آواز کے تابع یا Narrative Discouse یا Linear نہیں رہنے دیتا۔ اس کے تمام کردار اپنے نقطہ نظر سے داخلی ارتکاز کی کسی نئی اور غیر متوقع جہت کو پیش کرتے ہیں۔ نارنگ کے مطابق:

> ''بابو گوپی ناتھ واقعتاً کرداروں کا نگار خانہ رقصاں ہے، عبدالرحیم سینڈو، عقار سائیں، غلام علی،
> کشمیری کبوتری زینت بیگم، ٹین پٹوئی فل فل فوئی، مسز عبدالرحیم عرف سردار بیگم، محمد شفیق طوسی، محمد

یٰسین، غلام حسین وغیرہ وغیرہ چھوٹے بڑے سب کردار اپنا اپنا رویہ، اپنا انداز، اپنے اطوار اور اپنی نفسیات رکھتے ہیں اور اپنے نقطۂ نظر، اپنی زبان اور اپنے محاورے میں بات کرتے ہیں۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ Polyphony کی اس سے بہتر مثال اُردو افسانہ میں شاید ہی ملے۔''[۳]

پریم چند کے مشہور افسانہ 'کفن' کی موضوعاتی تفہیم کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں۔ نارنگ صاحب کے مطابق اس نوع کی تنقید ایک غیر علمی معصومانہ کوشش سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ بہ مطابق نارنگ صاحب 'کفن' Panfictionality کی طرف معنی خیز اشارہ کرتا ہے یعنی یہاں افسانہ اور واقعہ کی تفریق مٹ جاتی ہے۔ بدھیا کی موت اور زندگی دونوں ہی ایک آن واحد کا حصہ ہے۔ کفن سے مراد بدھیا کا پیٹ ہے۔ جس کے اندر بچہ مر گیا ہے۔ ماں کی کوکھ گہوارہ تخلیق ہے۔ ان کے مطابق 'کفن' کا بنیادی اسٹرا کچر آئرنی پر استوار ہے۔

''پوری کہانی کی فضا طنزیہ ہے۔ پریم چند ایک سنگین سچائی سے پردہ اٹھاتے ہیں اور آخری وار ایسا بھرپور کرتے ہیں کہ پوری کہانی نام نہاد انسانیت اور شرافت کے منہ پر زبردست طمانچہ بن جاتی ہے۔ کفن میں دراصل دو کفن ہیں ایک وہ جس کے پیسوں سے یہ تاڑی پیتے ہیں، دوسرا کفن وہ ہے جسے مرنے والی نے اپنی لاش سے اس بچے کو پہنایا ہے جو اَن جنا پیٹ کے اندر مر گیا ہے۔''[۴]

نارنگ صاحب نے اپنے خیال انگیز مضمون میں ان کے چند متعدد افسانوں میں آئرنی کے خلاقانہ استعمال کی مختلف صورتوں کی نشان دہی کی ہے۔ ان کے مطابق معروضیت اور حقیقت کی بے لاگ ترجمانی اور آئرنی کا فنکارانہ استعمال پریم چند کی بظاہر حقیقت پسندانہ کہانیوں مثلاً دو بیلوں کی کہانی، عیدگاہ میں بدما، شطرنج کے کھلاڑی، دودھ کی قیمت، سوا سیر گیہوں، نئی بیوی مایوس کی رات وغیرہ تشکیل سازی میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

پروفیسر نارنگ کی تنقیدی تحریروں کا خاص وصف معروضیت ہے۔ اور اگر کسی بڑے سے بڑے فنکار میں بھی انہیں کوئی فنی عیب نظر آتا ہے تو وہ اس کی برملا نشان دہی کرنے میں تکلف نہیں کرتے ہیں۔ عیدگاہ کی عام طور پر پذیرائی کی جاتی ہے مگر نارنگ کے نزدیک یہ کہانی Over written ہونے کی بھی مثال ہے کہ اصل کہانی انسان کے خلقی Doxa کو خاطر نشان کرتی ہے۔ عیدگاہ میں تو مساوات کا سماں نظر آتا ہے مگر بازار میں آتے ہی عدم مساوات یا امیری غریبی کا فرق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ کھلونوں کی خریداری سے یہ عمل مترشح ہوتا ہے۔ اُن کے مطابق:

''جب تک عیدگاہ میں تھے، سب ایک تھے لیکن جیسے ہی میلے کے بازار میں آئے بڑے تو بڑے، چھوٹے چھوٹے بچوں تک میں اونچ نیچ کا فرق پیدا ہو گیا۔ کہانی تو دراصل کھلونوں کی خریداری کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، پریم چند اپنی اچھی سے اچھی کہانیوں میں بھی کچھ نہ کچھ زیادتی تو کرتے ہی ہیں چنانچہ اسے خواہ مخواہ دادی امینہ تک پہنچایا ہے اور چھوٹے حامد کے فطری انسان کے عمل کو

بڑھاپے میں اور بوڑھی امینہ کے عمل کو بچپن میں تبدیل کرنے کی غیر ضروری کوشش کی ہے۔''۵

پروفیسر نارنگ صاحب نے شطرنج کے کھلاڑی کو سیاسی طاقت کے ڈسکورس کی طنزیہ پیش کش کے طور پر پڑھا ہے اور مرزا سجاد علی اور میر صاحب کے مکالموں کا ذکر کیا ہے جو کشت شہ اور مات کے گرد گردش کرتے ہیں۔ شطرنج کی ان اصطلاحوں کا استعمال پریم چند اشارتاً اس سیاسی کھیل کی طرف توجہ منعطف کرانے کے لیے کرتے ہیں جو انگریز کھیل رہے تھے جس میں شہ سامراج کی تھی اور مات ہندوستان کی۔ پریم چند کے افسانے عموماً محض اخلاقیات اور وسیع تر انسانی ہمدردی کے غماز سمجھتے ہیں تاہم نارنگ نے پریم چند کے افسانوں کو مرتکز آمیز مطالعے کا ہدف بنا کر یہ نتیجہ نکالا ہے۔

''انہوں نے حق وانصاف، عدل وشجاعت، دھرم اور کرم اور سماج سیوا کے جو آدرش تراشے ہیں۔ انہیں بعض جگہ اپنے ہی کرداروں کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے دکھایا ہے۔ اس کے لیے جس فنکارانہ ہمت اور بے دردی کی ضرورت ہے وہ بھی ان میں تھی۔ انہوں نے بے لاگ حقیقت نگاری بھی کی۔ گہرے طنز سے بھی کام لیا اور نہایت سفا کی اور بے رحمی سے Irony کی تعمیر و تشکیل کا حق بھی ادا کیا۔ پریم چند کی افسانوی کائنات کے ایسے مرتکز Focussed اور Incisive مطالعہ کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔''۶

جس طرح نارنگ صاحب نے سعادت حسن منٹو کے افسانوں پر تنقید کی، ان کے افسانوں کے تمام پہلوؤں کو اُجاگر کیا اور اس پر تنقید کے نئے دروازے کھولے اسی طرح انہوں نے پریم چند کے افسانوں میں مبہم پہلو پر روشنی ڈالی اور اس کے تمام تر پہلوؤں اوصاف اور اس کے ساتھ ساتھ خامیوں کو بھی مدنظر رکھ کر تنقید کی ہے۔

راجندر سنگھ بیدی پروفیسر نارنگ کے پسندیدہ فنکار ہیں۔ ''بیدی کے فن کی استعاراتی اور اساطیری جڑیں'' کو اُردو میں فکشن تنقید کی سب سے بہتر اور خیال انگیز مثال قرار دیا جاتا ہے۔ نارنگ صاحب نے بیدی کے موضوعاتی اور فنی سروکاروں کو دقت نظر کے ساتھ واضح کیا ہے۔ بیدی کا افسانہ ''ایک باپ بکاؤ ہے'' آبائی رشتوں کے تقدس پر سوالیہ نشان ہے۔ مرد اساس معاشرہ میں عورت تو متاع بازار بنتی ہے مگر 'مرد' کبھی بکنے والی شے نہیں بنتا ہے نارنگ صاحب نے تنقید میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ جب مرد عورت کو خرید سکتا ہے تو کیا ہمارے سماجی سمجھوتے اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ عورت مرد کو خریدے نارنگ نے بیدی کے متن سے براہ راست استنباط کر کے لکھا ہے:

''بیدی کے فن کا ایک خاص پہلو چونکہ عورت اور مرد کے ازلی رشتے کے بھیدوں کی گرہ کشائی ہے، بیدی یہاں نہایت سہولت سے اشارہ کرتے ہیں کہ ہمارے سماجی معاہدوں نے عورت کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں وہ جو کہتی ہے اس سے الٹ چاہتی ہے۔''۷

بیدی کا افسانہ یقیناً خدا کے آبائی تصور پر بھی ایک سوالیہ نشان قائم کرتا ہے کہ باپ کا تصور ظل ہے خدا کے تصور کا۔ نارنگ صاحب نے باپ گاندھرو داس کے اعمال اور افعال کو تجزیہ کے عمل سے گزار کر اس نکتہ کی صراحت کی

ہے کہ اصل رشتہ ایک ہی ہے، خلق کرنے کے Process کا جس کا دوسرا رُخ اپنانا اور قبولنا ہے۔ پروفیسر نارنگ کے مطابق رشتوں کے نام انسان کے بنائے ہوئے ڈھکوسلے ہیں، رشتہ صرف ایک یعنی اپنانے کا ہے۔ اس سے زندگی میں سکھ شانتی کے دریچے کھلتے ہیں اور سہارا ملتا ہے۔ بیدی کے بیشتر افسانوں میں استعاراتی اور اساطیری اساس کا احساس Forshadowing کے عمل سے ہوتا ہے اور کرداروں کے نام، محاورے یا کسی کردار یا مظاہر فطرت کے عمل سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے نارنگ صاحب بیدی کے ابتدائی دور کے افسانے پر تنقید کرتے ہوئے اس کہانی کے بنیادی رمز ایک جوتے کا دوسرا جوتے پر چڑھنا کو موضوع بحث بنایا ہے کہ یہ سفر کی علامت ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ کا بھی ہو سکتا ہے اور موت کا بھی۔ بوڑھا رحمان اپنے بیٹی سے ملنے دوسرے شہر جا رہا ہے جبکہ راستے میں اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اس طرح بیدی کی اس خوبی پر نظر ڈالی ہے کہ کس طرح اُس نے ایک لاشعوری عوامی تمثیل کی مدد سے واقعے کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں تخلیق کا ربطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

بیدی نے بظاہر حقیقت پسندانہ بیانیہ میں بھی اساطیری روایات کا استعمال اس انداز میں کیا ہے کہ واقعیت کی ایک لازمانی جہت ہویدا ہو گئی ہے اور بیدی کے افسانے حقیقت کی مابعد الطبیعیات کی تفسیر پیش کرتی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے بیدی کے فن کی اس امتیازی صفت کو پیش کیا ہے ان کی ایک کہانی 'اپنے دکھ مجھے دے دو' کے مرکزی کردار کے نام 'اندو' سے وابستہ اساطیری روایت کی طرف قارئین کا ذہن منعطف کراتے ہوئے پروفیسر نارنگ نے لکھا ہے:

> ''اندو پورے چاند کو کہتے ہیں جو مرقع ہے محبوبیت کا، اور جو پھلوں کو رس اور پھولوں کو رنگ دیتا ہے، جو خون کو ابھارتا ہے اور روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے۔ اندو کو سوم بھی کہتے ہیں جو سوم رس کی اعایت سے آب حیات کا مظہر ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا'' ۸

ڈاکٹر نارنگ نے اپنے دکھ مجھے دو کی اساطیری اور استعاراتی جڑوں کی نشان دہی میں کرداروں کے نام اور ان کے بعض مخصوص اعمال کی معنویت کو آشکار ہی نہیں کیا بلکہ روز مرہ کے استعمال کی عام اشیاء جو ایک طاقتور موقف کے طور پر استعمال کی گئی ہے اس کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ بیدی کے اسلوب کے مابہ الامتیاز عنصر کی نشاندہی کرتے ہوئے نارنگ صاحب نے لکھا ہے کہ بیدی کا انداز بیان اساطیری ہے جو حکایت اور داستان کے تمثیلی اسلوب سے قطعاً مختلف ہے۔ اساطیری انداز بیان کی اگر صراحت بھی کر دی گئی ہوتی تو داستانی اور اساطیری اسلوب کا فرق بھی واضح ہو جاتا کہ اُردو کے بیشتر ناقدین نے اس ضمن میں بڑا Confusion پھیلا ہے۔

بلونت سنگھ اور انتظار حسین کے افسانے معاشرہ، تاریخ اور ذات کی تقلیب نو کر کے اسے تفافتی خلقیے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ پروفیسر نارنگ نے ان دونوں فنکاروں پر مفصل مضامین سپرد قلم کیے ہیں۔ انتظار حسین کے موضوعاتی شعور اور فنی ارتکاز کے مراحل کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کراتے ہوئے مصنف نے چار ادوار کی فراحت کی ہے۔ بقول نارنگ پہلا دور 'گلی کوچے اور کنکری' کے افسانوں کا ہے جو ماضی کی یادوں اور

تہذیبی معاشرتی رشتوں کے احساس پر مبنی ہیں۔ دوسرا 'آخری آدمی' کے افسانوں کا ہے جس میں ان کا بنیادی سابقہ Concern انسانی وجودی Human Existential نوعیت کا ہے۔ تیسرا دور 'شہر افسوس' کے افسانوں کا ہے جو زیادہ تر سماجی سیاسی نوعیت کے ہیں اور جن میں گہرا سماجی طنز ہے چوتھے دور میں افسانوں میں موضوعات یا تو نفسیاتی ہیں یا بودھ روایات، دیومالا اور مختلف النوع اساطیری روایتوں کو باہم آمیز کر کے آج کے انسانی یا تہذیبی تناظر میں کوئی نیا سوال اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

انتظار حسین کی تخلیقات سے متبادر ہوتا ہے کہ معاشرتی فضیلت جو خود مختار اور مطلق حقیقت معلوم ہوتی ہے دراصل ثقافتی عرصہ ہے جو تاریخ، مذہب، نسلی اثرات، اثرات، زبان، دیومالائی، عقائد، توہمات اور حکایتوں پر مشتمل ہے، دراصل یہ ادراک حقیقت کا مرکزی وسیلہ ہے اور انتظار حسین نے اس امر پر بار بار اصرار کیا ہے کہ یہی تہذیبی اقدار جمالیاتی اور اخلاقی ضابطہ حیات کی اساس ہیں۔ پروفیسر نارنگ نے انتظار حسین کے افسانوں کے موضوعات کی عصری صورت حال سے تطبیق اور ان کے فنی طریقہ کار کے امتیازات کو نشان زد کرنے کے لیے ان کے بعض مشہور افسانوں 'آخری آدمی، سڑھیاں، وہ جو کھوئے گئے، کٹا ہوڈبہ، جل گرجے، شہر افسوس، دوسرا گناہ، وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے، پرچھائیں، ٹانگیں، سوئیاں وغیرہ کے متن سے نہ صرف براہ راست استنباط کیا ہے بلکہ بعض ناقدین کے اعتراضات کا بھی معروضی انداز میں محاسبہ کیا ہے جو انتظار حسین کے فکشن کو Doomsday Ficlion سے تعبیر کیا ہے۔ نارنگ صاحب سیاسی اور سماجی زوال کی مختلف شکلوں پر انتظار حسین کے تاسف انگیز ردعمل کو تخلیقی شخصیت کی موت کے مترادف ٹھہرانے والوں کے بجا طور پر شکوہ سنج ہیں اور سوال اُٹھاتے ہیں۔

داستانی اور تمثیلی اسلوب کو نئی آگہی اور سماجی صورت حال سے ہم آہنگ کرنے کو انتظار حسین کے فن کا مابہ الامتیاز عنصر ٹھہرایا جاتا ہے تاہم انتظار حسین کا خاص وصف یہ ہے کہ انہوں نے اُردو میں پہلی بار سیاسی بیانات کے خدوخال کو واضح کیا اور عہد نامہ قدیم، اساطیری، جاتک اور دیومالا کی مدد سے ایک ایسا متن خلق کیا ہے جس کی اپیل ہمہ حسّی ہے۔ نارنگ صاحب نے ناول بستی، پر بھی اپنی تنقید کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے انتظار حسین کے Political Discourse کو بڑے مدلل طریقہ سے آشکارا کیا ہے۔

نارنگ صاحب نے نرناری کی علامتی معنویت کی طرف توجہ منعطف کراتے ہوئے لکھا کہ کہانی کے Surface Stroucture سے بھی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے کہ یہ مرد اور عورت کے ایسے آرکی ٹائپ کو مشخص کرتی ہے۔ جو اپنی شناخت کے عمل میں ایک دوسرے کے وجود کے محتاج ہیں لیکن Deep Surface میں سیاسی اور معاشرتی سطح پر سر اور ڈھر کی کشمکش آج کے معاشرے اور ثقافت کی اس کشمکش کی آئینہ دار بھی ہے نارنگ صاحب کے مطابق انتظار حسین نے افسانہ کی مغربی ہیت کو جوں کا توں قبول نہیں کیا بلکہ کتھا کہانی اور داستان و حکایت کے جو مقامی سانچے Indigenous Model مشرقی مزاج عامہ اور افتاد ذہنی کے صدیوں کا عمل کا نتیجہ تھے اور مغربی اثرات کی یورش نے جنہیں رد کر دیا تھا، انتظار حسین نے ان کی دانش و حکمت کے جوہر کو گرفت میں لے لیا اور ان کی

مدد سے مروج سانچوں کی تقلیب کر کے افسانے کو ایک نئی شکل اور نیا ذائقہ دیا۔ یقیناً نارنگ صاحب کا محاکمہ مبنی بر صداقت ہے مگر یوں بھی ہے کہ انتظار نے کتھا کہانی اور حکایت کے Spoken word کو Printed word کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی اور ان کی تخلیقات Spoken word کی شعریات کی تشکیل کرتی ہے۔

ڈاکٹر نارنگ صاحب نے بلونت سنگھ کے افسانوی ڈسکورس کو ایک منفرد تخلیقی جہت عطا کرنے والی ان کی زبان کی ساخت اور اظہاری سطحوں کا بھی ذکر کیا ہے اور بلونت سنگھ کے متن میں مضمر زبان کی مختلف سطحوں کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے Sociolect کی اصطلاح استعمال کیے بغیر اس کے تخلیقی امکانات پر روشنی ڈالی ہے۔ بلونت سنگھ نے Sociolect یعنی کسی مخصوص ثقافتی گروہ کی تکلمی خصوصیات اور بعض کرداروں کی نامانوس اور اجنبی زبان Idiolect کے باہمی انجذاب سے تخلیقی زبان کی ایک نئی سطح دریافت کی تھی۔ بلونت سنگھ کے افسانے رومانی ہونے کے باوجود بقول نارنگ صاحب ٹھوس اور تجسیمی اور تمثیلی اظہار کی وجہ سے گھنے زمینی اور معاشرتی miliev میں گندھے ہوئے ہیں بلونت سنگھ نے ثقافتی خلقیوں کی مدد سے اپنا منفرد بیانیہ عرصہ Narrative Space خلق کیا ہے۔ بقول نارنگ ثقافتی نفوس ان کرداروں کی تشکیل اور ان کی شناخت کا ناگزیر حصہ ہے۔

بلونت سنگھ کی رومانیت کا عام طور پر ذکر کیا جاتا ہے اور مردانگی، جوش، شجاعت فطرت کی نیرنگی اور معاشرتی رسومیات سب اسی رومانیت کے اجزا ہیں اور بلونت سنگھ کے بیشتر افسانوں میں خیر غالب آتا ہے جو اصلاً روحانی رویہ ہے۔ نارنگ صاحب نے بلونت سنگھ کے فن کے اسی امتیازی پہلو کی داد نہیں دی ہے بلکہ انہوں نے ان کے بعض مشہور افسانوں مثلاً پہلا پتھر، وبلے، دیش بھگت، کالی تتری، پیپرویٹ، دیمک اور کٹھن ڈگریا کے تجرباتی مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان افسانوں میں شکست رومان کی کارفرمائی اور ان اقدار کا تہس نہس ہونا بھی اتنا ہی معنویت رکھتا ہے۔ بقول ڈاکٹر نارنگ جبر کے مختلف چہرے ہیں ان میں سے ایک چہرہ مردانگی کا ہے جو معاشرتی طور پر عورت کے خلاف جبر کو ہمیشہ روا رکھتا ہے۔ مذہب فقط آلہ کار ہے وہی مذہب جس کو دوسرے فرقے کی عورتوں کی عصمت دری اور آبرو ریزی کا جواز بنایا جاتا ہے۔ لیکن خود اپنے فرقے میں مسئلہ ہوس کا ہو تو وہی مذہب بالکل بے معنی ہو جاتا ہے اور استحصال کا شکار ہونے والی اندھی لڑکی سانولی کا مونس و مساز بن کر ابھرتا ہے۔

ڈاکٹر نارنگ صاحب کا بلونت سنگھ پر مبسوط تجرباتی مضمون مقدمات کی تدوین اور نتائج کے منطقی استخراجی بنا پر بلونت سنگھ کے تخلیقی نابغہ سے قارئین کو بخوبی واقف کراتا ہے اور پہلی بار بلونت سنگھ کو اُردو کے ایک انتہائی اہم فکشن رائٹر کے طور پر فروغ دیتا ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے جس طرح پریم چند، منٹو، بلونت سنگھ کے بارے میں اظہار خیال کیا اسی طرح انہوں نے کرشن چندر کے مختلف افسانوں پر مختصراً اظہار خیال کیا۔ نارنگ صاحب نے کرشن چندر کے فنی عیوب کی بھی نشان دہی کی ہے اور بیان کیا ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی آدرش پسندی اور رومانیت نے فن کے آئینے کو دھندلا کر آگے چل کر یہ لے جتنی بڑھتی گئی، کرشن چندر کی گرفت فن پر اتنی ہی کمزور ہوتی گئی۔ نارنگ صاحب کے مطابق کالو بھنگی اور

دوفرلانگ لمبی سڑک اس پائے کی کہانیاں ہیں کہ اُردو افسانوں کے سخت سے سخت انتخاب میں بھی جگہ پائیں گی۔

کرشن چندر کی ہنگامی خطابت اور جذباتیت سے رغبت انہیں عظیم فن کاروں کی سرفہرست میں شامل نہیں ہونے دیتی مگر نارنگ صاحب نے درست لکھا ہے کہ:

> ''کرشن چندر کی حسن کاری اور انسان دوستی اس درجہ وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ اپنے کمزور لمحوں میں بھی وہ سپاٹ نہیں ہوتے۔''۹

ڈاکٹر نارنگ صاحب نے اولاً تو جابر حسین کے ہاں موضوعاتی سطح پر آنے والی نئی تبدیلیوں کی طرف معنی خیز اشارے کیے ہیں اور پھر ان کے فنی امتیازات پر روشنی ڈالی ہے۔ بقول نارنگ:

> ''جابر حسین کا ایجنڈا کمٹیڈ طور پر سماجی بے انصافی کو بے نقاب کرنے نیز ظلم و استبداد کی صدیوں سے چلے آرہے انسانیت سوز سلسلوں کو مقامیت کی سطح پر Deconstruct کرنے کا رہا ہے لیکن کہیں کوئی تبلیغ نہیں۔ کوئی سیاسی نعرہ یا مسنحی فیسوٴ نہیں، تمام تر سماجی عمل جرامی ہے لیکن تحت بیانی اور بالواسطہ بیانی کے فنی طور طریقوں سے، دردمندی اور تاثیر کی خودنگر Self-Reflexive زبان کے ذریعے جوجگہ جگہ ایجاز کا درجہ پالیتی ہے۔''۱۰

ڈاکٹر نارنگ صاحب نے بجا طور پر یہ استفسار بھی کیا ہے کہ عورتوں کے ساتھ بے انصافی، پولس، زمیندار، پردھان، مالک کا اتیاچادر اور ظلم کا اندھا چکرویو، نیز غریب کرداروں کی بے زبانی کو توجہ کا مرکز بنانے پر کیا جابر حسین کی تحریروں کو دلت کہانیوں کے زمرہ میں نہیں رکھا جا سکتا ہے جابر حسین کی تحریریں یقیناً حاشیائی کرداروں کی ایسی دنیا سے ہمارا تعارف کراتی ہیں جہاں ظلم، ناانصافی، بربریت اور بہمیت جیسے لفظ بے معنی نظر آنے لگتے ہیں کہ ظلم سہنا ان کی زندگی کا سب سے مانوس استعارہ بن گیا ہے۔ انسان کے محافظ کس طرح قانون کی دھجیاں اڑاتے ہیں جابر حسین کی تمام کہانیاں اسی نکتہ پر مرکوز ہیں۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ''ٹال کی مانی'' کو جابر حسین کا شاہکار فن پارہ قرار دیا ہے۔ جس میں گاؤں کی ایک بے بس اور لاچار عورت کے ظلم وستم کا شکار ہونے کی روح فرسا داستان بغیر کسی جذباتی تلوہٹ کے بیان کی گئی ہے۔ جابر حسین کا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے صنف کے تصور کو بھی Subvert کیا ہے۔ بقول نارنگ صاحب 'سیاسی یا نیم سیاسی بسیل نہیں' جابر حسین نے سرے سے ادبی صنفی بسیل کو بھی Subvert کیا یعنی میں تو واقعہ نویس ہوں، سرے سے ادیب ہی نہیں۔ جابر حسین کی زبان پر اعتراضات کیے جاتے ہیں اور اسے معیاری اُردو نہیں سمجھا جاتا ہے۔ نارنگ صاحب نے بعض کوتاہ بیں ناقدروں کے اس محدود تصور زبان کو جو ناسخیت کی نئی شکل ہے ابھی موضوع گفتگو بنایا ہے۔ اور جابر حسین کی مقامی علاقائی محاورہ سے آراستہ اور بظاہر غیر معیاری زبان کو ان کی تخلیقیت سے مشروط قرار دیا ہے۔ مقامی علاقائی محاورہ سے آب تاب حاصل کرنے والی یہ زبان پریم چند کے فکشن اور بقول نارنگ صاحب انتظار حسین کی سوچتی ہوئی مکالماتی نثر کی تہہ بیانی میں سانس لیتی ہے۔ نارنگ صاحب نے

نہ صرف جابر حسین کی تحریروں کے فنی تناظر کو بطریق احسن اُجاگر کیا ہے بلکہ مابعد جدید فکشن تنقید کی اطلاقی جہتوں کو بھی سامنے لائیں ہیں انہوں نے محض نظریاتی اور علمیاتی زمروں کی نشان دہی اور بعض Trendy اصطلاحوں کے حوالے سے تجزیہ کے عمل کو مکمل نہیں کرتے بلکہ متن کے گہرے مطالعے اور فطری مسائل کی عملی صورتوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

اسی طرح نارنگ صاحب نے ساجد رشید کے متعدد افسانوں میں سیاسی، ڈسکورس کے مکروہ مناظر سامنے لائے گئے ہیں اور نارنگ صاحب نے بالکل درست لکھا ہے کہ اقتدار کے کھیل میں جرائم کی ملی بھگت جڑوں سے نہیں معاشرے کی اعلیٰ ترین سطحوں سے آتی ہیں۔ نارنگ صاحب نے ساجد رشید کے افسانوں کے نہ صرف موضوعاتی تنوع کی داد دی ہے۔ بلکہ ان کے فنی طریقہ کار کی وضاحت کی ہے۔ ان کے مطابق کہ ساجد رشید عموماً اپنے افسانوں کا آغاز ایسے منظر سے کرتے ہیں جس کے حوالے سے وہ مرکزی تھیم کی متضاد جہت کو بھی سامنے لا سکیں۔ ساجد رشید کے تقریباً تمام قابل ذکر افسانوں کے متن کا نارنگ صاحب نے مرتکز آمیز تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے کہ ساجد نے جہانگیر کے زیرناف کے تضادات نیز تہذیبی اور سماجی مسائل کا ڈسکورس جس طرح قائم ہے وہ ان کی انفرادیت پر دال ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر نارنگ صاحب اپنے خیالات کو انجم عثمانی کے بارے میں قلم بند کیا۔ انجم عثمانی کے تیسرے افسانوی مجموعے 'ٹھہرے ہوئے لوگ' پر نارنگ صاحب نے پوری توجہ سے مضمون لکھا ہے اور انجم عثمانی تشکیل اور فنی شناخت کے امتیازی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ انجم عثمانی طویل کہانیاں نہیں لکھتے اور یہی اختصار نویسی انہیں اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے ممتاز و ممیّز کرتی ہے۔ انجم عثمانی کے افسانے ایک ایسے ثقافتی معاشرہ کی فضا میں سانس لیتے ہیں جو اب Suballern بن چکا ہے نارنگ صاحب نے انجم کے فن کے اسی امتیازی پہلو کو گہری تنقیدی بصیرت کے ساتھ روشن کیا ہے اور یہ کہ انجم کے افسانوں کے بین السطور میں دبے دبے درد کی لہر چلتی ہے۔ انجم عثمانی کے افسانے پروفیسر نارنگ کے مطابق اقلیتی ڈسکورس سے پوری طرح وابستہ ہیں۔ انجم کا ایک مشہور افسانہ 'ایک ہاتھ کا آدمی' ہے جس میں بایاں ہاتھ دائیں پر غالب تھا۔ انجم عثمانی یقیناً تہذیبی بحران سے اپنے فن کی تشکیل کرتے ہیں اور ان کے ہاں جنس کبھی ایک حاوی موتیف کی صورت نہیں اختیار کرتی گو کہ کہیں کہیں جنس کی دبی دبی چنگاری کا احساس ہوتا ہے کہ یہ مسلمان متوسط گھرانے کی گھٹی گھٹی معاشرت سے براہ راست طور پر منسلک ہے۔

اُردو میں گوپی چند نارنگ نے اپنی نگارشات کے ذریعے اسلوبیاتی کو خاصا وقار و اعتبار بخشا ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ نہایت شگفتہ پیرائے میں ادق سے ادق بات کو سہل بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نارنگ فکشن کی باریک بین قرات فقط قرار ہی کی خاطر نہیں کرتے بلکہ ان کی باریک قرار دراصل وسیلہ ہے وسیع تر انسانی مسائل کے تناظر میں تخلیق کو پرکھنے کا یہ نقطہ شاید فارمولا بند ذہنوں کو نظر نہ آئے لیکن ڈاکٹر نارنگ کے ہاں مطالعہ برائے وسیع تر

انسانی مسائل یا وسیع تر معاشرتی وثقافتی مسائل ادبی مسائل ہے۔گوپی چند نارنگ کے قلم سے نکلی یعنی بیدی کے فن کی جو تنقیدی گرہیں انہوں نے کھولیں ہیں وہ انہیں کا حصہ ہیں۔اُردو فکشن پر نارنگ نے بہت کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اس سب کا احاطہ میرے دائرہ امکان سے باہر ہے بقول فضیل جعفری:

> فکشن کے بارے میں نارنگ نے جو دوسرے مضامین لکھے ہیں ان میں ''اُردو میں تجریدی اور علامتی افسانہ'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔جدید افسانوی تنقید میں یہ مضمون سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے پہلی بات تو یہ کہ نارنگ نے یہ مضمون آج سے برسوں پہلے اس وقت لکھا تھا جب بیشتر نقاد افسانے کو درخوااعتنا نہیں سمجھتے تھے اور دوسری بات یہ کہ انہوں نے جدید افسانہ نگاری کے متعلق سریندر برکاش کے بعض افسانہ نگاروں سے بھی بحث کی، وہ میرے نزدیک عملی تنقید کا بہترین نمونہ ہے۔''[۱۱]

حوالہ جات:

۱۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،تاریخ ادب اُردو،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس)،ص:۱۰۶۳

۲۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،فکشن شعریات (تشکیل و تنقید)،(لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)،ص:۱۳۹

۳۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،فکشن شعریات (تشکیل و تنقید)،(لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)،ص:۱۴۰

۴۔ ایضاً،ص:۱۴۱

۵۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،اُردو افسانہ روایت اور مسائل ،(لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)،ص:۳۸۴

۶۔ محمد حامد علی خان،ڈاکٹر،گوپی چند نارنگ، حیات و خدمات،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس)،ص:۲۰۹

۷۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،فکشن شعریات (تشکیل و تنقید)،ص:۱۶۲

۸۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،اُردو افسانہ روایت اور مسائل،ص:۲۶۵

۹۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،ساختیات اور بوئے گل کا سراغ،(دہلی:کتاب نما،۱۹۹۰ء)،ص:۴

۱۰۔ ایضاً،ص:۵

۱۱۔ محمد حامد علی خان،ڈاکٹر،گوپی چند نارنگ، حیات و خدمات،ص:۲۲۳

مآخذ:

۱　گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اُردو افسانہ روایت اور مسائل، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء۔

۲　گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔

۳　گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات اور بوئے گل کا سراغ، دہلی: کتاب نما، ۱۹۹۰ء۔

۴　گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، فکشن شعریات (تشکیل و تنقید)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔

۵　محمد حامد علی خان، ڈاکٹر، گوپی چند نارنگ، حیات و خدمات، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔

☆☆☆